ڈاکٹر اسرار احمد

دو فکری خواب اور ان کی تعبیر

ترتیب و تسوید : حافظ محمد اشرف

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۸ر اکتوبر ۱۹۸۸ء کو قرآن کالج میں داخلہ پانے والے سال اوّل کے طلبہ اور ایک سالہ کورس کے شرکاء سے افتتاحی خطاب فرمایا۔ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات، تین احادیث اور ادعیہ مسنونہ کی تلاوت کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب نے ارشاد فرمایا:

میں اس وقت قرآن کالج کی بی اے فرسٹ ایئر کلاس اور ایک سالہ کورس کے شرکاء کو خوش آمدید کہتے ہوئے حقیقی قلبی مسرت محسوس کر رہا ہوں۔ میری اس مسرت و خوشی کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ کسی شخص نے کوئی خواب دیکھا ہو...... بڑا حسین خواب...... جو کہ بظاہر احوال ناممکن الوقوع اور محال نظر آرہا ہو، لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ اپنے اسی خواب کو عملی قالب میں ڈھلتا ہوا اور ارتقائی منازل طے کرتا ہوا دیکھے تو آپ خود اندازہ کر لیجئے کہ اُسے کس قدر خوشی و مسرت حاصل ہو گی۔ میرے نزدیک زندگی میں اس سے بڑھ کر تسکین بخش کوئی اور شے نہیں۔

دو فکری خواب

میرے دو خواب تھے جو میں نے ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۸ء میں دیکھے تھے۔ یہ خواب نیند کے عالم میں نہیں بلکہ بقائمی ہوش و حواس دیکھے تھے۔ یہ دو فکری خواب تھے، جن کا تذکرہ ریکارڈ پر موجود ہے۔ یہ محض سخن سازی نہیں۔

پہلا خواب اپریل ۱۹۶۷ء میں ضبطِ تحریر میں آیا۔ مئی ۱۹۶۷ء کے "میثاق" کے شمارے میں چھپا اور عام ہوا...... جسے آج ہم "اسلام کی نشاۃِ ثانیہ۔ کرنے کا اصل کام" کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اس کا مرکزی تصوّر "قرآن اکیڈمی" کے قیام پر مشتمل

ہے۔ ایک ایسا ادارہ جواُن نوجوانوں کو تربیت کے مواقع فراہم کرے جو کہ ایک طرف دولتِ ایمان و یقین سے مالا مال ہوں اور یہ ایمان و یقین محض متوارث یا موروثی نہ ہو بلکہ علیٰ وجہ البصیرت (PERSONAL CONVIC-TION) کے درجے کا ہو، جو فقط قرآن کے بغور مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ نوجوان جدید فکر و فلسفہ کا شعور و ادراک رکھتے ہوں تاکہ قرآن و سنّت سے ماخوذ تعلیمات سے واقفیت و آگہی ان میں ایک اجتہادی بصیرت پیدا کر سکے۔ اس اجتہادی بصیرت کے دو نتائج بر آمد ہوں گے۔ ایک یہ کہ اس کے ذریعے سے علم جدید کو مسلمان بنایا جا سکے گا اور دوسرے یہ کہ انسانی تمدن کے پیچیدہ اور گنجلک مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جا سکے گا۔

۱۹۶۸ء میں مسجد خضریٰ سمن آباد لاہور میں میرے خطباتِ جمعہ کا آغاز ہوا۔ ان خطبات کے آغاز ہی میں میں نے دو تقاریر کی تھیں، جو کہ اب "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کے ٹائیٹل سے چھپ رہی ہیں۔ ان میں میں نے قرآن یونیورسٹی کا تصوّر پیش کیا تھا...... ایسی یونیورسٹی کہ جس کا مرکزی شعبہ قرآن ہو۔ اس کے فہم میں ممدّو معاون تمام ذرائع...... عربی زبان و ادب 'صرف و نحو' ادب جاہلی' حدیث اور فقہ کی تعلیم و تدریس وغیرہ...... موجود ہوں تاکہ قرآن پر تفکّر و تدبّر کی راہ ہموار ہو سکے۔ باقی جملہ قدرتی' حیاتیاتی اور عمرانی علوم اس مرکزے (NUCLEUS) کے ساتھ وابستہ ہوں۔ اس مجوّزہ یونیورسٹی کے ہر طالبعلم کیلئے لازم ہو گا کہ وہ پہلے تو اس کے مرکزی شعبے...... شعبۂ قرآن...... سے کسبِ فیض کرے اِس کے بعد اپنے طبعی میلان کے مطابق متعلّقہ شعبۂ علم سے وابستہ ہو جائے۔ یوں قدیم و جدید علوم کا امتزاج وجود میں آئے گا اور نتیجۃً INTEGRATION OF KNOWLEDGE کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو پائے گا۔

علم بلا شبہ ایک وحدت ہے اسے تو یک جان و یک قالب ہونا چاہئے۔ بدقسمتی سے اس وقت یہ ثنویّت و تثلیث میں بٹ چکا ہے۔ اس کی توحیدی شان بحال کرنے کا فقط یہی راستہ ہے کہ

تمام اسلامی ممالک اس طرز کی یونیورسٹیاں جا بجا قائم کریں اور استعدادات و صلاحیتوں کو ذرائع و وسائل کے ساتھ مجتمع کریں' تاکہ انتشارِ علمی کا ازالہ ہو اور وحدتِ علمی کا بول بالا ہو۔

© rasailojaraid.c

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا قیام

یہی دو خواب تھے جو کہ میں نے ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۸ء میں دیکھے تھے۔ ان کی عملی تعبیر کے حصول کیلئے میں نے جو بھی کوششیں کیں' ان کی ایک طویل داستان ہے۔ انہی کے نتیجہ میں بفضلہٖ تعالیٰ ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن قائم ہوئی اور میرے ہم خیال وہمدرد لوگوں کا ایک باقاعدہ حلقہ وجود میں آیا جو کہ ان بیس احباب پر مشتمل تھا جو میری فکر وامنگ اور میرے ارادوں اور عزائم سے بخوبی آگاہ بھی تھے اور شریکِ کار بھی۔ ایک لاکھ روپے کے سرمایہ سے انجمن کا آغاز ہوا۔ ایک مخیر شخصیت نے ماڈل ٹاؤن کے بی بلاک میں اپنا پلاٹ اس کارِ خیر کیلئے وقف کیا، جسے ان کی اجازت سے بیچ کر موجودہ پلاٹ ..... جو نسبتاً کم قیمت بھی تھا اور پنجاب یونیورسٹی کے نیو کیمپس کے قریب ترین بھی..... خریدا گیا۔ ۱۹۷۶ء میں اس پر قرآن اکیڈمی کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ بحمد اللہ تعالیٰ ایک ہی سال کے عرصہ میں انجمن کے دفاتر ۱۲ افغانی روڈ' سمن آباد سے یہاں منتقل ہوگئے اور یوں وہ تحریک ..... جو ابھی تلک صفحۂ قرطاس پر موجود تھی اور کتابوں میں بند تھی، منصۂ شہود پر آگئی اور اس نے زمین میں اپنی جڑ پکڑ لی۔

ہم نے اس فکر کی ترویج واشاعت کیلئے مختلف سکیموں کا آغاز کیا جن کی تفصیل بالاختصار درج ذیل ہے۔

۱۔ قریبی کالجوں اور یونیورسٹی کے چند طالبعلموں کو اپنے یہاں دار المقامہ میں رہائش فراہم کی۔ ایک طرف ان کی دینی تربیت کا اہتمام کیا تو دوسری طرف ان کیلئے عربی وغیرہ کی تعلیم کا بندوبست کیا۔ جناب حافظ خالد محمود خضر اسی سکیم کی پیداوار ہیں۔

۲۔ آٹھویں جماعت پاس بچوں کو علومِ دینیہ سے روشناس کرانے اور میٹرک کی سطح پر تعلیم دلانے کی سکیم شروع کی جو کہ کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکی۔

۳۔ کچھ عرصہ بعد ہم نے ''قرآن اکیڈمی فیلوشپ سکیم'' کا اجراء کیا۔ اس سکیم کے تحت ایسے نوجوانوں کی خدمات حاصل کرنا اور ان کی صلاحیتوں کو مجتمع کرنا مطلوب تھا جو کہ ایم اے/ایم ایس سی کر چکے ہوں یا پیشہ ورانہ تعلیم ایم بی بی ایس یا ایل ایل بی وغیرہ سے فراغت پا چکے ہوں۔ ان سے اپنی پوری زندگی اس کارِ خیر کیلئے وقف کرنے کا عہد لیا گیا' جبکہ

com

ان کی معاشی گاڑی کو رواں رکھنے کیلئے سرکاری تنخواہوں کا بنیادی گریڈ نمبر ۱۷ بمعہ مروّجہ اضافی فوائد انہیں دینے کا وعدہ کیا گیا' البتہ ان پر یہ پابندی عائد کی گئی کہ وہ اپنے فارغ اوقات کو کسی منفعت بخش کام کیلئے استعمال نہیں کر سکیں گے۔ دو تین سال تک انہیں تدریسی مراحل سے گزرنا ہوگا اور بعد ازاں حسب استطاعت و میلانِ طبع اس کارِ عظیم میں شریک ہونا ہوگا۔ اس کام کے چھ درجات مقرر کئے گئے جو کہ درج ذیل ہیں۔

(ا) تخلیقی شعبہ۔
(ب) تحقیقی شعبہ
(ج) دعوتی و تبلیغی شعبہ
(د) تدریسی شعبہ
(ہ) تنظیمی شعبہ
(و) انتظامی شعبہ

اس سکیم میں سات نوجوانوں نے شرکت کی' جن میں سے تین ہمہ تن وہمہ وقت فیلوز کی حیثیت سے ہنوز اس سکیم کے ساتھ چل رہے ہیں۔

(i) حافظ محمد رفیق صاحب ایم اے اسلامیات' ایم اے عربی۔
(ii) حافظ خالد محمود خضر صاحب ایم ایس سی جیالوجی
(iii) ڈاکٹر عارف رشید صاحب ایم بی بی ایس

یہ تینوں صاحبان تین سالہ کورس مکمل کرنے کے بعد سے اپنی تمام تر صلاحیتیں ادارے کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں۔

۴۔ "دو سالہ کورس" کی سکیم کا آغاز ۱۹۸۴ء میں کیا گیا۔ اس سے استفادہ کی بنیادی شرط ایم اے/ایم ایس سی اور بی اے/بی ایس سی مقرر کی گئی۔ ایف اے/ایف ایس سی یا مساوی تعلیم کے چند خواہشمند نوجوانوں کو بھی اس میں داخلہ دیا گیا۔ انہیں بالترتیب -/۱۰۰۰ روپے' -/۸۰۰ روپے اور -/۶۰۰ روپے ماہانہ وظائف دیئے گئے تاکہ وہ اپنے والدین پر بوجھ بنے بغیر یہاں خود کفیل ہو کر رہیں۔

بحمد اللہ تعالیٰ اس سکیم سے ۵۰ سے زائد نوجوان استفادہ کر کے فارغ ہوئے ہیں اور ملک

© rasailojaraid.com

کے مختلف مقامات پر دعوتی و تبلیغی کام میں مصروفِ عمل ہیں۔
۵۔ قرآن کالج کی سکیم پر عمل در آمد گزشتہ سال سے شروع کیا گیا ہے۔ انٹرمیڈیٹ پاس نوجوان کو اس کالج میں داخلہ دیا جاتا ہے اور اسے تین سال میں بی اے کرایا جاتا ہے۔ ایک سال جو اضافی لیا جاتا ہے وہ تجوید' عربی گرامر' فارسی اور دیگر علوم دینیہ کی تحصیل میں صرف کیا جاتا ہے۔ یہی وہ سکیم ہے کہ جس میں آپ لوگوں نے داخلہ لیا ہے۔ اس وقت کالج میں دو کلاسیں..... سال اوّل و سال دوم چل رہی ہیں۔
۶۔ ایک سالہ کورس کا اجراء...... قرآن کالج کے منصوبے کے آغاز کے بعد دو سالہ کورس کے خاتمے کا فیصلہ اصولی طور پر ہو ہی چکا تھا لیکن بعض احباب کے پرزور اصرار پر اس کورس کو مختصر کر کے "ایک سالہ کورس" کے طور پر اسی سال شروع کیا گیا ہے جس میں بفضلہٖ تعالیٰ ہماری توقعات سے بڑھ کر نوجوان شرکت کر رہے ہیں۔
مختصر یہ کہ اب تک ہم قرآن اکیڈمی سے قرآن کالج تک کا سفر طے کر چکے ہیں اور خدا کے فضل و رحمت سے بعید نہیں کہ وہ اس نوزائیدہ و نونہال پودے کو برگ و بار عطا فرمادے اور قرآن کالج قرآن یونیورسٹی کا درجہ حاصل کر لے۔ یہی وہ دوسرا خواب ہے جو مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق نامی کتابچے میں مذکور ہوا ہے۔ گویا قرآن کالج قرآن یونیورسٹی ہی کی تمہید ہے۔ بقول شاعر ؎

نہال اس گلستاں میں جتنے بڑھتے ہیں ہمیشہ وہ نیچے سے اوپر چڑھتے ہیں

یاد رہے کہ دنیا میں یہی ہوتا آیا ہے کہ آج کے بڑے بڑے ادارے اور یونیورسٹیاں اپنے نقطۂ آغاز میں ایک حقیر اور معمولی اداروں سے زیادہ کوئی درجہ نہیں رکھتی تھیں' لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر حقیر ابتداء ایک عظیم انتہاء تک رسائی حاصل کر لے۔ البتہ کوشش جاری رہنی چاہئے کہ اَلسَّعْیُ مِنَّا وَالِاتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ یعنی کوشش ہماری طرف سے ہے اور اس کا نشانے پر بیٹھنا فقط اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ کسی انسان کی مقدرت میں ہے ہی نہیں کہ وہ اپنے عزائم اور ارادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا لے بجز اس کے کہ اللہ کا فضل شاملِ حال ہو جائے۔
پس یہی میرے دو خواب تھے جن پر عملی پیش رفت درجہ بدرجہ ہو رہی ہے اور اگر اللہ

نے چاہا تو یہی پودا ایک دن بار آور درخت بنے گا۔

اس فکری پس منظر کی مختصر سوانح حیات...... متذکرہ صدر سطور میں تو میں نے آپ لوگوں کو اپنے اس فکر کے پس منظر سے آگاہ کیا۔ آیئے اب ذرا ع "لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو" کے مصداق اس فکری پس منظر کا کھوج لگائیں۔

برعظیم پاک و ہند..... جس کے تین آزاد و خود مختار ٹکڑے دنیا کے نقشے پر ظاہر ہو چکے ہیں، میں مسلمانوں کی کم و بیش ایک ہزار سال تک حکومت قائم رہی۔ آخری دو سو سال انتشار و انحطاط کی نذر ہوئے بالآخر ۱۸۵۷ء میں مغربی نو آباد کاروں کے ہاتھوں اس حکومت کی بساط لپیٹ دی گئی۔

متحدہ ہندوستان میں مغربی اقوام کی آمد کا سلسلہ ۱۴۹۸ء میں شروع ہوا جبکہ واسکوڈے گامانے "سونے کی اس چڑیا" تک رسائی کا بحری راستہ تلاش کر لیا۔ ۱۶ ویں اور ۱۷ ویں صدی عیسوی تک ان لوگوں کی آمد و رفت ساحلی شہروں تک محدود رہی اور تجارت ان کی تمام سرگرمیوں کا محور رہی۔ اٹھارویں صدی میں انہوں نے بال و پر نکالنے شروع کئے اور اپنے عسکری تسلّط کی بناء ڈالی۔ ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی میں سراج الدّولہ کو شکست دے کر بنگال پر قبضہ کر لیا۔ ۱۷۹۹ء میں میسور کو اپنے زیر نگیں کیا اور اپنی سازباز اور شاطرانہ چالوں اور عسکری تغلّب کے نتیجے میں وہ ۱۸۵۷ء میں پورے ہندوستان پر چھا گئے۔

انگریز کے یہاں قابض ہونے کے ساتھ ہی انگریزی زبان و ادب، علم و فکر اور تہذیب و تمدن بھی در آئے۔ اس واقعی صورت حال نے مسلمانان پاک و ہند کو ایک نئے مسئلے سے دوچار کر دیا جس کی بابت مسلمان قیادت کی دو آراء نکھر کر سامنے آ گئیں۔ ایک طبقۂ علماء کا طرز عمل ترکِ موالات یا عدمِ تعاون پر مبنی تھا۔ انہوں نے انگریزی زبان سیکھنے، انگریزی علوم پڑھنے اور انگریزی راہ و رسم اور طرز معاشرت اپنانے کی شدید مخالفت کی۔ علماء کے دوسرے طبقے کی رائے اس کے برعکس تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ انگریز آ چکا اور اس کا تسلط چھا چکا۔ ہم اسے ذہناً قبول کریں نہ کریں، عالمِ واقعہ میں تو وہ موجود ہے لہٰذا حال کے اندیشوں اور مستقبل کے خدشات کے پیش نظر "ترکِ موالات" کی حکمت عملی اختیار کرنے کی بجائے تعاون کی راہ اختیار کی جائے۔ انگریزی علوم و فنون اور سائنسی تحقیقات سے استفادہ کیا جائے اور خُذ

© rasailojaraid.com

ماصفادَع ما کدر کےاصول پر خلافِ اسلام چیز کو مسترد کر دیا جائے۔

فکر کے ان دو دھاروں کی کوکھ سے دو عظیم درسگاہوں نے جنم لیا ایک دارالعلوم دیوبند اور دوسرا محمڈن اینگلو انڈین کالج علی گڑھ۔ یہ دونوں ادارے دو مختلف نقطہ ہائے نظر کے مظہر تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل علماء اکثروبیشتر علومِ جدیدہ سے بے بہرہ اور عالمِ واقعہ سے لاتعلق تھے، جبکہ علی گڑھ کالج نے ایسے "مسٹر" پیدا کئے جو کہ اپنی دینی اقدار اور افکارو نظریات کے بارے میں تشکیک و تردّد میں مبتلا ہوئے۔ یوں ان کا دین سے رابطہ برائے نام رہ گیا۔

ان دو متضاد دھاروں کو یکجا کرنے کے لئے تین عظیم شخصیات نے تین خواب دیکھے جن کی تفصیل درج ذیل ہے

۱۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ مسلمانوں کے درمیان اس "نو طبقاتی تقسیم" پر سخت فکر مند تھے۔ اپنی شدید علالت کے باوجود ۱۹۱۹ء میں علی گڑھ تشریف لے گئے اور وہاں اپنے اس درد کو زبان دی۔ ایک مشترکہ کوشش کا نتیجہ "جامعہ ملّیہ" کی شکل میں بر آمد ہوا جو علی گڑھ میں قائم ہوا اور بعد میں دہلی منتقل ہو گیا۔ اس ادارے کی اصل غرض و غایت دیوبند اور علی گڑھ کو قریب ترلانا اور یکجا کرنا تھی۔

اسی طرح کا ایک ادارہ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے دہلی میں نضارۃ معارف الاسلامیہ کے نام سے قائم کیا۔ اس کا مقصدِ وحید قرآن مجید کو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے قلوب واذہان میں اتارنا تھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ میں "دارالارشاد" قائم کیا۔ مقصود پیش نظر یہ تھا کہ ایسے نوجوان مبلّغین تیار کئے جائیں جو کہ قرآن کے فکرو استدلال سے بخوبی آگاہ ہوں۔ وہ ہندوستان کے طول و عرض میں پھیل کر مسلمانوں کے اندر تجدیدِ ایمان اور احیائے دین کی تحریک برپا کر سکیں۔

ان تینوں اداروں نے زمین پر اپنی بناء توڈالی لیکن وہ یا تواپنے مؤسسین کی دیگر مصروفیات کے باعث جلد ہی درجۂ معدوم کو پہنچ گئے یا پھر رسمی کارروائی بن کر رہ گئے۔ نضارۃ معارف الاسلامیہ مولانا سندھیؒ کی افغانستان کو ہجرت کے باعث بند ہو گیا۔ دارالارشاد مولانا آزاد کی سیاسی مصروفیات کی بھینٹ چڑھا اور جامعہ ملّیہ ایک عام روایتی

com

یونیورسٹی بن کر رہ گیا۔ یہ ادارہ اب تک دہلی میں قائم ہے۔

دوسرا خواب علامہ اقبال نے دیکھا تھا جو کہ خواب کے درجے میں ہی رہا۔ ادارے کا ڈھانچہ تو کھڑا ہو گیا لیکن اس میں فکر کی تخم ریزی نہ ہو سکی۔ حضرت علامہ نے ایک عقیدت مند چودھری نیاز علی خان کو ایک ایسے ادارے کے قیام کا تصور دیا جو کہ مسلمان گریجویٹس کو قرآن پڑھائے اور فکر و اسرارِ قرآنی سے آشنا کرے تا کہ جسدِ ملّی کی تقسیم کو روکا جا سکے۔ موصوف نے اپنے ہی فنڈز سے اپنے ایک قطعۂ اراضی پر مجوزہ ادارے کے لئے عمارت تعمیر کر دی۔ اور حضرت علامہ کو آگاہ کر دیا۔

علامہ اقبال نے الازہر یونیورسٹی مصر کے ریکٹر سے ایک ایسے جدید تعلیم یافتہ عالم دین کو ہندوستان بھیجنے کی فرمائش کی جو انگریزی زبان میں جدید ذہن کو قرآن کی تعلیم دے سکے اور اسے مطمئن کر سکے۔ لیکن وہاں سے معذرت آ گئی۔ اس پر حضرت علامہ نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو...... جو اس وقت حیدر آباد دکن میں مقیم تھے...... مشورہ دیا کہ وہ متذکرہ ادارے میں منتقل ہوں اور احیائے دین کا جو کام کرنا چاہتے ہیں یہاں رہ کر کریں۔ لیکن مولانا کی وہاں منتقلی تک حضرت علامہ اقبال کا انتقال ہو گیا۔ یوں یہ خواب عملی تعبیر کے قالب میں نہ ڈھل سکا۔ البتہ یہ "دارالاسلام ٹرسٹ" جماعت اسلامی کے مرکز میں تبدیل ہو گیا جو تقسیم ہند تک قائم رہا۔

میرا یہ فکری خواب درحقیقت انہی متذکرہ صدر خوابوں کا تسلسل ہے جو کہ قرآن اکیڈمی سے شروع ہو کر قرآن کالج کی پگڈنڈی سے گزرتے ہوئے تدریجاً قرآن یونیورسٹی کی منزل کی طرف پھیل رہا ہے۔ اِس سفر کی جزئیات پر پہلے کلام ہو چکا ہے۔

وقت کا اہم ترین چیلنج...... اس وقت ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ایک مادّہ پرست تہذیب پورے گلوب پر مسلّط ہے۔ یہ تہذیب یورپ میں مذہب سے بیزاری بلکہ بغاوت کے تخم سے پیدا ہوئی' سائنٹفک حقائق و شواہد نے اسے پروان چڑھایا' مشین کی ایجاد نے اسے تقویت بخشی اور معاشی مفادات و مصالح اور سیاسی تغلّب نے اسے پوری دنیا پر غالب کر دیا۔ مسلمان ہونے کے ناطے اب ہمیں اسلام کو ایک زندہ قوت کے طور پر منوانا ہے' اس کے افکار و نظریات کو عام کرنا ہے اور جدید بے خدا اور مادہ پرستانہ افکار و آراء کا ابطال کرنا ہے' تا کہ

© rasailojaraid.c

ایک طرف دین کو فروغ حاصل ہو اور وہ بطور ایک نظامِ عدلِ اجتماعی کے برپا ہو سکے تو دوسری طرف "چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر" کی حامل جدید تہذیب کی قلعی کھل سکے۔

اس چیلنج سے نمٹنے کے لئے لازم ہے کہ

ا۔ علم کی تقسیم کو ختم کر کے اسے وحدت کے رنگ میں رنگا جائے۔

ب۔ ایمان اور علم کے رشتے کو باہم مضبوطی سے جوڑ دیا جائے۔

ج۔ ایک ایسی دینی' سیاسی اور عوامی تحریک برپا کی جائے جو ٹھوس بنیادوں پر یہ وقیع کام کر سکے اور جس کا مدار جذبات ابھارنے سے زیادہ استدلال پر ہو۔ ہم نے اپنی حدِ استطاعت تک یہ کام کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اور اس کا داعیہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ قرآن اکیڈمی' قرآن کالج اور قرآن یونیورسٹی اسی فکر و فلسفہ کے اہم ترین سنگ ہائے میل ہیں اور آپ لوگ بہرطور اسی فکر و فلسفہ سے شعور و آگہی حاصل کر کے بحمد اللہ تعالیٰ یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس افتتاحی موقع پر میں نے یہ تفصیلات آپ کے گوش گزار اس لئے کی ہیں کہ آپ سنگ و خشت سے بنی ہوئی اس عمارت کو اور یہاں رائج تدریسی نظام کو محض روایتی خیال نہ کریں بلکہ ان کی مقصدیت ہمیشہ آپ کے پیشِ نظر رہے۔

شرکاء کا مطلوب طرزِ عمل...... آپ لوگ جس کام کا آغاز کر رہے ہیں اس کے ضمن میں چند احادیث کی مدد سے آپ کے طرزِ عمل کی بابت کچھ ہدایات دینا چاہتا ہوں جنہیں آپ کو اپنے ذہن میں جاگزیں اور اپنے عمل میں جذب کرنا ہوگا جو کہ درج ذیل ہیں۔

سب سے پہلی شرط کہ جس کے ذریعے سے آپ اس کام میں پیش رفت کر سکتے ہیں' اخلاصِ نیت ہے۔ آپ یہاں کے تعلیمی ماحول سے استفادہ کے لئے دور دراز سے چل کر آئے ہیں۔ آپ کے گرد و نواح میں تعلیمی سہولتوں کی کمی نہ تھی' لیکن آپ اس فکر کی آبیاری اور اس تصوّر کی پختگی کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں جو آپ نے یا آپ کے والدین نے حق جانا۔ پس چاہئے کہ آپ اسے محض دنیوی تعلیم پر محمول نہ کریں ورنہ پہلا قدم ہی غلط ہو جائے گا' چنانچہ نیت کی اصلاح بہت ضروری ہے اور نیت یہ ہو کہ ہمیں اپنے آپ کو اللہ کے دین کے فہم و عمل' اشاعت و تبلیغ اور تنفیذ و اقامت کے لئے تیار کرنا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت مرسل حدیث جو میں نے آغاز کلام پر آپ کو سنائی تھی

com

اس کا یہی مفہوم ہے۔ نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّينَ دَرَجَةٌ وَّاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ (دارمی)

ترجمہ۔ "جس شخص کی موت آ گئی اس حالت میں کہ وہ احیائے اسلام کے لئے علم حاصل کرنے میں مصروف تھا (اگرچہ ابھی تک اس نے عملی جدوجہد کا آغاز بھی نہ کیا تھا) تو جنت میں اس کے اور انبیاء علیہم السلام کے مقامات و درجات میں ایک درجہ کا فرق ہو گا۔"

پس واضح ہوا کہ احیائے دین کے لئے جدوجہد کی اولین کلید حصولِ علم ہے اور یہ منقسم علم نہیں جو کہ دنیا و دین کو باہم ٹکرا اور الجھا دے بلکہ وہ علم ہے جو ان دونوں کو وحدت کے قالب میں ڈھال دے۔ چنانچہ نیت و ارادہ کے پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ حصولِ علم کی جدوجہد میں یوں منہمک ہونا کہ ایک طرف خود علم مسلمان ہوتا جائے اور دوسری طرف وہ آپ کے قلب و ذہن میں اترتا اور نفوذ کرتا چلا جائے۔

چنانچہ آپ لوگ اس کا اہتمام پورے شدومد سے کریں کہ قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج میں آپ کا جو بھی وقت گزرے وہ حصولِ علم برائے احیائے اسلام کی نیت سے گزرے۔ اور حضورؐ کے ارشاد کے بموجب یہ کتنی بڑی خوشخبری اور نوید جانفزا ہے کہ وہ طالب علم جو حصولِ علم کی اس جدوجہد کو لیحیی بہ الاسلام کے لئے خاص کر دے، اللہ کے یہاں مقامِ صدّیقیت کا مستحق گردانا جائے گا اور واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت بڑی خوشخبری ہے ان تمام لوگوں کے لئے کہ جو شعوری طور پر اس کام کا فیصلہ کر چکے ہوں اور جنہوں نے کامل خلوص و اخلاص سے اس پگڈنڈی پر سفر شروع کر دیا ہو اور وہ فی الواقع اسلام کو دنیا میں ایک زندہ قوت بنانا اور دیکھنا چاہتے ہوں۔ اس راستے میں اگر ان کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور موت انہیں آن لے تو اللہ کے یہاں وہ اپنا اجر و ثواب محفوظ پائیں گے۔

متذکرہ صدر حدیث جہاں نیت کے اخلاص پر دلالت کر رہی ہے وہاں ایک اور حدیث جو حضرت عثمانؓ سے مروی ہے اور متفق علیہ ہے اسی کام کے عملی پہلو کو متعیّن کر رہی ہے۔ جناب رسالت مآبؐ کا فرمان ہے خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ یعنی تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔ یہ قرآن اکیڈمی، قرآن کالج اور انشاء اللہ قرآن یونیورسٹی..... یہ سب تعلیمِ قرآن ہی کے رائع ہیں۔ وقت کا شدید ترین

© rasailojaraid.c

تقاضا اور اہم ترین چیلنج ہے کہ

۱۔ ہم قرآن میں موجود فلسفہ و حکمت کے موتیوں کی کھوج کرید کریں اور انہیں اعلیٰ ترین علمی سطح پر معاشرے کی ذہین اقلیّت کے سامنے پورے دلائل و براہین کے ساتھ پیش کریں تاکہ اس کے قلب و ذہن پر الحاد ' مادّہ پرستی اور ظواہر و شواہد کا میل کچیل چھٹ جائے اور وہ اپنے شفاف آئینہ قلب اور لوحِ ذہن کے ساتھ قرآن میں غوطہ زنی کے لئے آمادہ و تیار ہو جائے ۔ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے پوری دنیائے انسانیت کے روبرو اسلام کی حقانیت آشکار کریں۔ اسے درپیش جملہ مسائل کا خدائی حل پیش کریں اور یوں شہادت علی الناس کا فریضہ علمی سطح پر ادا کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔

۲۔ عامۃ الناس کو اس کے مواعظ حسنہ کی مدد سے نورِ ایمان اور دولتِ یقین سے مالامال کریں تاکہ ایک عوامی تحریک برپا ہو جو کہ انقلابِ اسلامی کے لئے پیش خیمہ بنے۔

۳۔ نورِ قرآن سے باطل افکار و نظریات کا ردّ پیش کریں تاکہ خدا کی یہ بستی..... دنیائے انسانیت..... ان کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہو تعلیم و تعلّم قرآن کے یہی وہ مقتضیات ہیں جو ہماری سربسر توجہ کے مستحق ہیں۔

جہاں تک قرآن کالج کے طلباء اور ایک سالہ کورس کے شرکاء کے لئے تعلیمی نصاب کا تعلق ہے تو اس میں ہم نے علمِ تجوید کے بنیادی قواعد بھی شامل کئے ہیں۔ علم تجوید حروف و مخارج کی پہچان کراتا ہے ' ان کی ادائیگی کا طریق سکھاتا ہے جس کے نتیجے میں ہم قرآن کو پوری طرح صحتِ لفظی کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ ہم میں سے کتنے ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان ہیں جو صحیح طور پر قرآن کو پڑھ بھی نہیں سکتے۔ چنانچہ آپ تلاوتِ قرآن کی تصحیح کے لئے "ا۔ ب۔ ت" سے آغاز کرنے میں عار بالکل محسوس نہ کریں۔ پس تجوید سے لے کر عربی صرف و نحو ' فارسی ' ترجمۃ القرآن اور اس میں تفکر و تدبر..... یہاں تک کہ اسے اعلیٰ ترین فلسفیانہ سطح پر پڑھنا اور پڑھانا "خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ" کے جامع عنوان کے ذیل میں آتے ہیں۔ ہماری کوشش بھی ہے اور خواہش بھی کہ آپ لوگوں میں متذکرہ صدر ہر سطح کے لئے ایک داعیہ بیدار کر دیں تاکہ آپ حسبِ استطاعت فہمِ قرآن کے کسی درجے کو منتخب کر سکیں اور اپنی صلاحیتوں کو اس کے اندر کھپا سکیں۔

com

تیسری اور آخری حدیث جو میں نے آپ کو سنائی تھی وہ حضرت امیر معاویہؓ سے مروی متفق علیہ حدیث ہے۔ اس میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے۔ مَنْ یُّرِدِاللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ "جس فرد پر اللہ تعالیٰ اپنا خاص فضل و رحمت فرمانا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔" اس حدیث کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ آپ یہاں علم اور فہم کا فرق سمجھ لیں۔

علم سے مراد معلومات کا وہ ذخیرہ یا مجموعہ ہے جو انسان کسی بھی معاملے کی بابت جمع کرتا ہے اور فہم وہ قوت ہے جو ان معلومات کو باہم مربوط کر کے کسی نتیجے تک پہنچاتی ہے اور کسی رائے، فکر، فلسفہ یا نظریئے کو جنم دیتی ہے۔ تفقّہ فی الدین کا مفہوم یہی ہے کہ احکاماتِ شرعیہ کی غرض و غایت، ان میں حکمت و دانائی کی کھوج کرید، ان پر غور و فکر کے لئے اصول و مبادی کی تشکیل و ترتیب اور پھر خاموش معاملات کی بابت رائے زنی کا طریق..... پس معلوم ہوا کہ علم اور فہم دو الگ الگ قوتیں ہیں۔ جس فرد میں یہ دونوں یکجا ہو جاتی ہیں وہ تو گویا خیرِ کثیر سے نوازا جاتا ہے۔ بفحوائے آیتِ قرآنی۔

مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (البقرہ)

عین ممکن ہے ایک فرد کے پاس معلومات کا ایک مبسوط ذخیرہ ہو اور اس کا ذہن ایک کتاب خانہ ہو، لیکن وہ فہم و تفقّہ سے عاری ہو۔ ایسا علم بجائے خود ایک مہمل سی شے بن کر رہ جائے گا۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے ساتھ خصوصی خیر و بھلائی اور فضل و انعام چاہتا ہے اسے دین کا فہم عطا کر دیتا ہے۔

تفقّہ فی الدّین کا اہم ترین پہلو کہ جس سے آپ اپنی اپنی جماعتوں میں "منتخب نصاب" کے حوالے سے تعارف حاصل کریں گے تصوّرِ دین کی وضاحت اور فرائضِ دینی کا شعور و آگہی ہے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ دین کیا ہے، یہ ہم سے کیا چاہتا ہے، اس کے احکامات کیا ہیں اور ان میں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں اور پھر آپ یہ بھی جان جائیں گے۔ اسلام دیگر مذاہب کی طرح محض چند عبادات کے مجموعے یا رسومات کے طومار کا نام نہیں، بلکہ اس میں ایک پورا نظامِ فکر بھی ہے اور نظامِ حیات بھی۔ گویا فکر و عمل میں اس کا اپنا منفرد اور جداگانہ ڈسپلن موجود ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ انسانی زندگی فکر و عمل کے مجموعے کا نام ہے۔ فکر

© rasailojaraid.com

صحیح ہو تو عمل بھی درست ہو گا۔ ورنہ محدود فکر محدود عمل پر منتج ہو گا۔ اسلام اسی لئے اپنے ماننے والوں کے یہاں "فکر و عمل" کی وحدت دیکھنا چاہتا ہے جو کہ انفرادیت سے لے کر اجتماعیت کی تمام سطحوں پر محیط ہو۔

میں اپنی گزارشات کا اختتام اس دعا کے ساتھ کرتا ہوں کہ اللہ عزّ و جلّ ہماری ان کوششوں کو مؤثر بنائے، ہمیں ان ارادوں میں کامیاب کرے، تحصیلِ علم میں اخلاصِ نیت سے متصف فرمائے اور میدانِ عمل میں استقامت و مداومت علی الخیر سے نوازے۔ آمین۔

DR. ISRAR AHMED'S LECTURES

in English Language are available on the following topics in

Video Cassettes:

Topics		Qty.
1.	Meaning of Iman	2
2.	Process of an Islamic Revolution	3
3.	The duties of a Muslim	2
4.	General Question & Answers	1

Rate: One Video Cassette: Rs. 175/-

Available with:
Maktaba Markazi Anjuman Khuddamul Quran
36-K, Model Town, Lahore.
Phone: 856003 856004

Anjuman Khuddamul Quran Sind
11-Dawood Manzil Sharah-e-Liaqat,
Near Aarm Bagh, Karachi.
Phone: 216586

S.S.Q. Greater Chicago
810, 73rd Street Downers Grove
IL 60516 USA.
Ph: 312-969-6755

com